ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

شہزاد احمد کی شاعری کے موضوعات میں تنوع

VARIETY IN TOPICS OF SHEHZAD AHMID'S POETRY

۱۔ڈاکٹر عمر قیاز قائلؔ

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج نمبر ۲ بنوں

۲۔عابد علی

پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

۳۔ڈاکٹر مظہر احمد

شعبہ پشتو، یونیورسٹی آف ملاکنڈ

ABSTRACT

Shehzad Ahmad is a well Known Urdu poet and prose writer. Being a very qualified and learned man, his scholarship is visible in all his writings and compositions. Whatever he writes is matchless and superb. It is a universal fact that the greatness of a writer is felt and recognized after his death but Shehzad Ahmad was lucky that his greatness as a writer was recognized even in his life time. While he was still alive, he was given several awards as a recognition of his greatness and services as a writer. His essays on Psychology and Philosophy are matchless. He is also considered to be one of the best Translators of scientific topics and essays. Some of his Translations are yet to be published. In my article, below, I have tried to give a brief introduction of different books by Shehzad Ahmad, so as to easily understand and estimate his worth as a multi-dimensional and all pervasive writer.

KEY WORDS *: Shehzad Ahmad , Prose writer , writings , compositions , multi-dimensional*

شہزاد احمد نے، جس وقت شعر گوئی کا آغاز کیا وہ قیامِ پاکستان سے پہلے اور بعد کا دَور تھا۔یعنی اُنھوں نے اپنی شاعری ۱۹۴۶ء سے شُروع کی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب سیاسی، سماجی اور معاشرتی کشمکش نے انسانی اَذہان کو بُری طرح پریشان کر رکھ دیا تھا، اِس وقت ایک بڑا خِطّہء زمین تقسیم ہُوا، جس کے نتیجے میں دو نئے مُلک پاکستان اور بھارت معرضِ وجود میں آئے۔ یہ واقعہ خُوش کُن ہونے کے ساتھ رُوح فرسا بھی ثابت ہُوا، کیوں کہ یہ تقسیم صِرف زمینی تقسیم نہ تھی، بل کہ اِس تقسیم نے انسانی سوچ، تصوّر اور فِکر و تخیل کو بھی ایک نئے موڑ سے آشنا کر دیا تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۶۵ء کی جنگ نے زندگی کو ایک نئی سمت موڑنے میں اہم کردار ادا کیا اور پھر چند سال بعد ۱۹۷۱ء میں وجود کے آدھے ہونے کا المیہ پیش آیا۔اِس کے ساتھ مارشل لا کا دَور بھی چلتا رہا یُوں یہ تمام دَور ایسا رہا، جس میں کوئی بھی حسّاس ذِہن، سیاسی، سماجی اور فِکری سطح پر مُتاثر ہُوئے بغیر نہیں رِہ سکا۔

شہزاد احمد نے ایک نِظام کو مٹتے دیکھا اور دوسرے نِظام کے وجود میں آنے کے وہ عینی شاہد رہے اور کیوں نہ ہو کہ اُس وقت، جو سیاسی و سماجی تبدیلیاں رُونما ہُوئیں اُن سے پُورا منظر نامہ ہی بدل کر رِہ گیا۔ اِن حالات سے صِرف دوسرے شُعبہ ہائے زندگی ہی مُتاثر نہیں ہوئے، بل کہ اَدَب اور شعر و شاعری پر بھی اِن کے دُور رَس اَثرات مُرتب ہُوئے۔

بقول ڈاکٹر تبسم کاشمیری:

"۱۹۶۵ء کے بعد نئی شاعری کو نئے تجربات کا سامنا کرنا پڑا، دُنیا کے بدلتے ہُوئے سماجی تناظر اور سیاسی اِضطراب کا زبردست فلیکس (Flex) نئی شاعری کے منظر نامہ پر نمودار ہُوا۔ نئے شُعرا نے اَز سرِ نو اپنی ذات کی شناخت کی، وہ موضوعیت سے معروضیت کے ٹھوس شعری تجربہ کی دُنیا میں نکلے اور اِن کے ہاں خارجی شکست و ریخت، تشنج اور دباؤ کو دیکھنے کا نیا وِژن پیدا ہُوا۔ اِن کے ہاں نئی معروضیت کا تصوّر پیدا ہُوا۔ یہ نئی معروضیت اِن کی موضوعات کے ساتھ مُرکب ہو کر ایک نئی کلیت بنتی ہے، جس کی فنی اَشکال ہم نئے شُعرا میں تلاش کر سکتے ہیں۔"(1)

شہزاد احمد اپنے زمانے کے اجتماعی مَسائل سے بخوبی واقف تھے، اُنھوں نے اپنے زمانے میں آس پاس اور گرد و پیش کی زندگی سے آنکھیں بند نہیں کی تھیں۔ یعنی وہ اپنے زمانے کے اجتماعی معاملات و مَسائل کے مَحض ایک خاموش تماشائی نہیں تھے۔ اُنھوں نے اپنے زمانے کے اجتماعی نشیب و فراز کو دیکھا تھا۔ اِس لیے اپنی شاعری میں جا بجا اُس نے اپنے زمانے کے اجتماعی، سیاسی و سماجی مَسائل و معامِلات کی ترجمانی کی۔ یہ ترجمانی کہیں تو بہت واضح صُورت میں موجود ہے اور کہیں اِشاروں کِنایوں کے دبیز پردوں میں ہے۔بقول ڈاکٹر وقار احمد رضوی:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

"شہزاد احمد جدید غزل گو شُعرا میں ہیں، جنھوں نے زندگی کے نئے تقاضوں کو اپنا کر اِنھیں اپنی تخلیقات میں جگہ دی ہے۔ شہزاد احمد کی خُصوصیت یہ ہے کہ وہ جدیدیت میں مجہولیت کے شِکار نہیں ہوئے، اُن کی غزل مفہوم کے لحاظ واضح ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ذات کی تلاش نے اُنھیں بھٹکایا نہیں، بل کہ اُن کے ہاں ذات کے خول سے نکل کر دوسروں کو پہچاننے اور دوسروں کے غم میں شریک ہونے کا جذبہ بھی ہے۔ اُن کی غزل غیر شُعُوری یا تحت الشُعُوری کیفیت کا نام نہیں اور نہ اِس میں معاشرتی بے راہ روی اور فِکری بُحران ہے، بل کہ اُن کی غزل مخصوص شخصیت و کردار کی حامل ہے۔ اِس میں حسرت و آزردگی اور رنج و غم کی کیفیات ہیں۔ وہ اپنے تخلیقی عمل میں ایک ہی مدار میں چکر نہیں لگاتے کیوں کہ اُنھوں نے اپنے آپ کو انسانی مسائل کے سیاق و سباق اور اُن کے حوالے سے جاننے کی کوشش کی ہے۔ انسانی فطرت کی پیچیدگیوں کے ساتھ حالات و واقعات کا خارجی و داخلی آہنگ ہے۔ اِس لحاظ سے سماجی مسائل کا عکس اُن کی غزلوں میں ہے۔"(2)

اُن کی نظر کے سامنے ایک عظیم تہذیب کی شکست و ریخت کا پُورا نقشہ موجود تھا۔ وہ خُود بھی اِس سے مُتاثر ہُوئے تھے اور دوسروں کو بھی مُتاثر ہوتے دیکھا تھا۔ اِس لیے یہ تجربات اُن کی غزل میں داخل ہو کر ایک مُستقل حِصّہ بن گئے ہیں۔

بدامنی :

شہزاد احمد نے اپنی شاعری میں آشوبِ جہاں کو مجسم کیا ہے۔ اُن کے عہد میں معاشرہ، جس بے حِسی کا شِکار تھا، جہاں ہونے والا ظُلم و جَبر کسی قسم کی تحریک پیدا نہیں کر رہا تھا، بل کہ معاشرے میں نظر انداز کرنے کے رویّے جنم لے رہے تھے، جب کسی معاشرے میں اِس قسم کی صُورتِ حال پیدا ہو جائے تو پھر معاشرہ، معاشرہ نہیں رہتا، بل کہ نا اِنصافیوں، حق تلفیوں، عدم اِستحکامی اور اِستحصالی رویّوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ شہزاد احمد معاشرے سے اِن سب چیزوں کا سدِباب کرنا چاہتے ہیں اور اُن کی یہ خواہش ہے کہ معاشرہ اَمن اور آشتی کا گہوارہ بن جائے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

زمیں پہ اَمن کا سُورج ابھی نہیں نِکلا
بہت سے جسم ابھی اپنے خُون سے تَر ہیں

(3)

راہ چلتی کوئی لڑکی کہ سگِ آوارہ
کون محفوظ ہے رستے میں کھڑے لوگوں سے

(4)

دِیوارِ آب بن کے گریں ہم پہ بجلیاں
ہر سمت تیرتے ہوئے لاشے دِکھائی دیں

(5)

قتل پر قتل یہاں روز کیے جاتے ہیں
اور کسی ہاتھ میں خنجر نہیں دیکھا جاتا

(6)

تمام شہر کے لوگوں نے ٹھان رکھا ہے
نہ خُود جئیں نہ کسی اور ہی کو جینے دیں

(7)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

یہ جو جلتا نظر آتا ہے نگر میرا ہے
آگ میری نہ سہی اِس میں شرر میرا ہے
دِل میں باقی کوئی تعمیر کی حسرت نہ رہے
مُجھ کو دِیوار میں چُن دو کہ یہ گھر میرا ہے

(8)

اِن اشعار میں پاکستان کے اندرونی حالات کا، جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ ناقابلِ فَراموش ہے۔ اِن اشعار میں پاکستان کا ہر شہر اور خصوصاً کراچی شہر کی تباہی و بَربادی کا حوالہ زیادہ ہے۔ وہاں پر، جو بدامنی ہے، جن کے ذِمہ دار اُن کے اپنے ہیں، ناقابلِ فَراموش ہے۔ اِن اشعار کے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کو واقعی اپنے مُلک سے محبت ہے۔

دَورِ جدید کے مسائل :

شہزاد احمد کی غزل کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے بہت سے ایسے مَسائل کو غزل کا موضوع بنایا ہے، جن کا تعلق ہمارے جدید دَور سے ہے۔ اُنھوں نے کمال ہُنر مندی سے اِن مَسائل پر مبنی موضوعات کو اِس انداز سے شعر کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے کہ نہ شعریت مجروح ہوئی ہے اور نہ تغزل کو ٹھیس پہنچی ہے۔ اُنھوں نے اِس بات کو موضوع بنایا ہے کہ چراغ بھی نہ جلائے چراغ سے کوئی۔ کیوں کہ ہمارے شہر میں آج کل ایسا ہی گُریز کا عالَم ہے پھر وہ کچھ اِس طرح گویا ہوتے ہیں کہ میں نے سوچا تھا کہ میں اِک شہر میں آباد ہو جاؤں گا لیکن افسوس صد افسوس کہ یہاں تو ہر شخص کا انداز ہی جُدا لگتا ہے اور کبھی شہزاد احمد کہتے ہیں کہ اب تو معمول بن چُکا ہے بیچ بازار میں گری ہُوئی دستار کو دیکھنا۔ آج ہمارے یہاں نفسا نفسی، کَس مپُرسی اور ہُو کا عالَم ہے۔ یہ شاعر کا اِنفرادی نہیں، ہم سب کا اِجتماعی، بل کہ ہر گھر کا مسئلہ ہے۔ اِس حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بھری بہار میں ہر سمت ہُو کا عالَم ہے
نشیمنوں سے نکلتے نہیں ہیں طائر بھی

(9)

ہمارے شہر میں ہے وہ گُریز کا عالَم
چراغ بھی نہ جلائے چراغ سے کوئی

(10)

اِس زمانے میں جسے خُوئے اَنا ملتی ہے
کم ہے اُس شخص کو جتنی بھی سزا ملتی ہے

(11)

ساری دُنیا ہے تباہی کے دہانے کے قریب
اور میں سوچ رہا ہُوں مرا کیا ہوتا ہے؟

(12)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

وہ دیکھنا پڑتا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
آنکھوں پہ مگر ہاتھ بھی رکھا نہیں جاتا

(13)

میں نے سوچا تھا کہ آباد ہوں اِک شہر میں مَیں
یاں تو ہر شخص کا انداز جُدا لگتا ہے

(14)

تُم اندازہ کرو اِس خاک کا انجام کیا ہوگا
اگر ہر شام سُورج خُون میں نِہلائے جاتے ہیں

(15)

ہمارے غم سرِ بازار اُس نے بیچ ڈالے ہیں
جسے غم خوار جانا تھا وہ سوداگر نِکل آیا

(16)

ہمارے اِس دَور میں کتنے لوگ ایسے ہوں گے، جو دوسروں کے غم میں گھلتے ہوں گے؟ یقیناً بہت ہی کم۔ ہر آدمی کو صِرف اور صِرف اپنی ہی فِکر ہے ہر آدمی خُود کو بے سہارا محسوس کرتا ہے۔ گھر، جو کبھی چین اور سکون کی علامَت تھا، مکان کا رُوپ دھار چُکا ہے اور اِنفرادی و اجتماعی خُوشیاں گویا ہم سے چھین گئی ہیں:

کسی نے رُخ نہ کیا تھا سمندروں کی طرف
یہ لوگ ڈُوب گئے ہیں گھروں میں بیٹھے ہُوئے

(17)

ہماری زندگی مُشکل سے مُشکل ہوتی جاتی ہے
مگر کہنے کو ہم آسانیاں تعمیر کرتے ہیں

(18)

سونا نہ شب کو خوابِ پریشاں کے خوف سے
اور دِن کو اِک عذاب ہے اَخبار دیکھنا

(19)

ظُلم کی زرد کہانی نہ کبھی ختم ہُوئی
روز پڑھنے کے لیے ایک ہی اَخبار ملا

(20)

شہزادؔ اب تو روز کا معمول بن گیا
بازار میں گری ہوئی دستار دیکھنا

(21)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

جس طرح لُڑھکے ہُوئے پتھر قطار اندر قطار
اب سڑک پر کون چل سکتا ہے اِن کاروں کے بیچ

(22)

اے مِرے بے نیاز رب! ظُلم کی شب کٹے گی کب؟
قتل بھی ہو رہے ہیں سب اور کوئی بولتا نہیں

(23)

اِن اشعار کو اگر غور سے پڑھا جائے تو راقم کو صد فی صد یقین ہے کہ موجودہ دَور کے، جتنے مَسائل ہیں وہ سب کے سب ہمارے سامنے آجائیں گے اور ہم میں سے ہر ایک یہ کہے گا کہ یہ تو وہی مَسائل ہیں، جس سے ہم دوچار ہیں۔ الغرض شہزاد احمد کا اِن تمام مَسائل سے آگاہ رہنا اور اِن تمام مسائل کو الفاظ کا جامہ پہنانا اگر ایک قادر الکلام شاعر ماننے پر دال نہیں تو اور کیا ہے۔

ہمت و حوصلہ مندی :

شہزاد احمد کی شاعری میں جابجا ہمت و حوصلہ مندی کے اشعار ہمیں نظر آتے ہیں۔ وہ خُود بھی بہت ہمت و حوصلے والے انسان تھے اور یہی وصف یہی حوالہ اُن کے اشعار میں بھی موجود ہے۔ شہزاد احمد لوگوں کو ہمّت کا دَرس دیتا ہے اِس اعتماد کے ساتھ کہ شاید لوگ اپنی ہمت و بلند حوصلے سے اپنے درپیش مَسائل کا حل نِکالیں۔ وہ زندگی سے مایُوس اور ہارے ہُوئے لوگوں کو اِس طرح ہمّت کا دَرس دیتے ہیں:

گھبرائیے نہ راہ کو پُرخار دیکھ کر
پودے کی طرح سنگ سے رستہ نِکال لیے

(24)

تھکن ہزار سہی حوصلہ نہ ہار ابھی
قدم اُٹھیں نہ اُٹھیں دِل مگر سنبھالے جا

(25)

انسان کبھی لڑتے لڑتے دِیوتاؤں کو بھی شکست دے دیتا ہے اور کبھی اپنی ہی زندگی سے خُود شکست کھا جاتا ہے۔ شہزاد احمد اپنی زندگی سے لڑتے لڑتے اگرچہ تھک گئے ہیں لیکن پھر بھی میدانِ جنگ سے باہر نہیں نکلے ہیں کیوں کہ میدانِ جنگ سے باہر آنا بُزدِلی کی عَلامَت ہے اور شہزاد یہ نہیں چاہتے کہ اُن پر بُزدِلی کا ٹھپا لگایا جائے۔ اِس سلسلے میں اُن کے چند اشعار ملاحظہ ہو:

یہ چاند ہی تِری جھولی میں آپڑے شاید
زمیں پہ بیٹھ کمند آسماں پہ ڈالے جا

(26)

تِرا مقام ستاروں سے ہے پَرے شہزاد
بجھے بجھے سے اِرادوں سے آسماں کو نہ دیکھ

(27)

اِتنا تو سمجھ کیا ہے تِری راہ میں حائل
آہُو کی طرح اپنے ہی سائے سے نہ ڈر جا

(28)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

تیری قسمت تیرے ہاتھوں کی لکیروں میں نہیں
ڈھونڈ کر لا وہ ستارہ کہ جبیں پر چمکے

(29)

گر ہاتھ کانپتے ہیں تو میدان میں نہ آ
ہمّت نہیں تو دُور سے تلوار پھینک دے

(30)

اندازہ سائے سے نہیں ہوتا درخت کا
شہزادؔ آدمی سے بڑے اِس کے حوصلے

(31)

سفر ہے شرط روانہ ہو مسکراتے ہوئے
چراغ دیکھ مکانوں میں جگمگاتے ہوئے

(32)

لہو لہان ہیں بازو تو پھر سے تیغ اُٹھا
علاج تیرے دُکھوں کے دُکھوں کے اندر ہیں

(33)

شہزادؔ احمد نے اِن اشعار میں کبھی دھیمے انداز میں تو کبھی پُر جوش انداز میں لوگوں کو ہمّت کا دَرس دیا ہے۔

حوالہ جات:

1. ڈاکٹر تبسمؔ کاشمیری، نئے شعری تجزیے، ص:144، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، طبع اوّل:1978ء
2. ڈاکٹر وقار احمد رضوی، تاریخ جدید اُردو غزل، ص:916
3. شہزادؔ احمد، خالی آسمان، ص:96
4. شہزادؔ احمد، اَدھ کُھلا دریچہ، ص:30
5. شہزادؔ احمد، خالی آسمان، ص:78
6. شہزادؔ احمد، مٹی جیسے لوگ، ص:64
7. شہزادؔ احمد، اربوں سال کی دُوری، ص:71
8. شہزادؔ احمد، کون اُسے جاتا دیکھے، ص:22
9. شہزادؔ احمد، پیشانی میں سُورج، ص:146
10. شہزادؔ احمد، بکھر جانے کی رُت، ص:67
11. شہزادؔ احمد، بکھر جانے کی رُت، ص:79
12. شہزادؔ احمد، ٹُوٹا ہُوا پُل، ص:105
13. شہزادؔ احمد، ٹُوٹا ہُوا پُل، ص:124
14. شہزادؔ احمد، ٹُوٹا ہُوا پُل، ص:143

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

15. شہزاد آحمد، پیشانی میں سُورج، ص:61
16. شہزاد آحمد، پیشانی میں سُورج، ص:122
17. شہزاد آحمد، پیشانی میں سُورج، ص:90
18. شہزاد آحمد، اربوں سال کی دُوری، ص:74
19. شہزاد آحمد، ایک چراغ اور بھی، ص:138
20. شہزاد آحمد، پیشانی میں سُورج، ص:141
21. شہزاد آحمد، ایک چراغ اور بھی، ص:139
22. شہزاد آحمد، مٹی جیسے لوگ، ص:40
23. شہزاد آحمد، اربوں سال کی دُوری، ص:104
24. شہزاد آحمد، جلتی بجھتی آنکھیں، ص:176
25. شہزاد آحمد، صدف، ص:84
26. شہزاد آحمد، صدف، ص:84
27. شہزاد آحمد، صدف، ص:192
28. شہزاد آحمد، جلتی بجھتی آنکھیں، ص:49
29. شہزاد آحمد، جلتی بجھتی آنکھیں، ص:249
30. شہزاد آحمد، جلتی بجھتی آنکھیں، ص:240
31. شہزاد آحمد، جلتی بجھتی آنکھیں، ص:183
32. شہزاد آحمد، جلتی بجھتی آنکھیں، ص:207
33. شہزاد آحمد، خالی آسمان، ص:96